فتاوی

سوال:- ایک تبلیغی جلسہ میں ہمارے کسی بھائی نے علماء کرام کے سامنے بطور استفتاء یہ مسئلہ پیش کیا کہ اناج گندم وغیرہ کو نقدی نرخ کے خلاف ادھار کی صورت میں قیمت بڑھا کر فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو دو مولوی صاحبان نے دو متضاد فتوے لکھ کر دیئے جن کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔ گذارش ہے کہ ان ہر دو فتووں پر بامعان نظر غور فرما کر محاکمہ فرمادیں کہ کونسا فتویٰ صحیح ہے۔ اور وجوہ ترجیح بھی رقم فرمادیں اس مسئلہ کی ہمارے ملک میں بہت چھیڑ چھاڑ رہتی ہے۔ اور زمینداروں کے لین دین میں اکثر پیش آتا ہے۔ لہذا ضرور مدلل محاکمہ فرمادیں۔ سائل کے سوال کے جواب میں ایک مولوی صاحب یوں لکھتے ہیں۔

ہاں درست ہے کیونکہ منع کی کوئی دلیل نہیں۔ اس کے جواز پر عام ادلہ دلالت کرتی ہیں جن سے تراضی فریقین بیع جائز ثابت ہے۔ لیکن خاص یہ صورت بعینہ کسی حدیث میں مذکور نہیں۔ لہذا عموم ادلہ کے تحت جائز ہوگی نیل جزء خامس ص ۱۲۹ میں ہے۔ وقالت الشافعیۃ والحنفیۃ وزید بن علی والمؤید باللہ والجمہور انہ یجوز لعموم الادلۃ القاضیۃ بجوازہ وھو الظاھر۔ کذا فی الفتاوی النذیریہ

دوسرے صاحب اس کے خلاف یوں رقمطراز ہیں۔

صورت مذکورہ بالا صورت بیاج کی ہے قال اللہ تعالیٰ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ یہ بیع عن تراض منکم کے خلاف ہے کیونکہ وہ بڑھا کر لینے والا مجبوراً راضی ہوتا ہے بخوشی دل نہیں چاہتا کہ بجائے دس روپے کے بارہ روپے دے اور یہ اظہر من الشمس ہے۔ اگر ظاہری رضامندی سبب جواز ہو جائے تو بیاج پر بھی رضا طرفین ہو جاتی ہے دیگر صحیح حدیث میں وارد ہے کہ لا ربا الا فی النسیئۃ (رواہ البخاری) اور ظاہر ہے کہ مزید رقم عوض ادھار کے ہے وذلک بین۔ انتہی

پس مسئلہ یہ ہے کہ گندم نو روپے من نقدی فروخت ہوتی ہے۔ ایک غریب نقد قیمت نہیں دے سکتا وہ ادھار پر گندم خریدنا چاہتا ہے۔ بائع کہتا ہے کہ ادھار پر بیچوں گا بارہ روپے من دونگا۔ مشتری منظور کر کے لیجاتا ہے اور حسب وعدہ قیمت چھ ماہ یا سال کو ادا کر دیتا ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟ علماء مختلف الرائے ہیں۔ آپ محققانہ محاکمہ صادر فرمائیں۔ دیگر یہ عرض ہے کہ امام شوکانی نے اس بحث پر ایک رسالہ بھی شائع کیا تھا جس کا ذکر نیل میں ہے وہ کہیں ملتا ہو تو اطلاع فرماویں۔

عبدالقادر حصاری مبلغ اسلام۔ دلیپ سنگھ والا۔ بیا فرید کوٹ

جواب: میرے نزدیک مجیب اول کا جواب حق اور صحیح ہے اور مجیب ثانی کا مخدوش وغیر صحیح۔ میرے نزدیک اس طرح کی بیع جائز اور مباح ہے۔

(۱) قرون مشہود لہا بالخیر سے اب تک اس پر عمل ہوتا چلا آیا ہے کما یظہر من تفسیر بیعتین فی بیعۃ والا لما احتیج الی النہی عن ذالک ولا یخفی ان علۃ النہی ومناط المنع فیما قیل انما ھو عدم استقرار الثمن ولا یتحقق ذالک الا اذا قال نقدا بکذا او نسیئۃ بکذا ولا یفارق علی احد الثمنین فہذہ ھی صورۃ بیعتین فی بیعۃ واما اذا فارق علی احد الثمنین فلا یشملہ النہی المذکور۔ وکذا لا یدل الحدیث المذکور علی منع ما قال من اول الامر نسیئۃ بکذا فقط وکان اکثر من سعر یومہ وقد نبہ علی ذالک العلامۃ الشوکانی فی النیل والسیل الجرار ولم یرد حدیث آخر یمنع من ذالک ویدل علی النہی عنہ فلا ینبغی ان یشک فی جوازہ ومن ادعی المنع فعلیہ ان یاتی بدلیل صریح قوی دونہ قلل الجبال۔

(۲) معاملات میں اصل اباحت ہے تاوقتیکہ کوئی دلیل کراہت ومنع کی موجود نہ ہو وہ معاملہ مباح رہے گا۔ ارشاد ہے۔ ما سکت عنہ فہو عفو (اوکما قال) ترمذی۔

(۳) بیع کے جواز کا مدار اگر عوضین اشیاء منتفعہ عند الشرع ہیں اور ان کی بیع کی حرمت پر کوئی صریح نص موجود نہیں ہے تراضی طرفین پر ہے اور صورت متنازع فیہا میں فریقین کی رضامندی بلا شبہ متحقق ہے اس لئے یہ بیع جائز ہوگی۔ ما راٰہ المسلمون حسنا فہو عند اللہ حسن الحدیث (ابن مسعود وقد روی مرفوعا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

مجیب ثانی نے صورت متنازع فیہا کو بیاج بتاتے ہوئے منع کی دو دلیل ذکر کی ہیں۔ **دلیل اول** کا خلاصہ یہ ہے کہ بیع کے جواز کے لئے قلبی رضامندی شرط ہے اور زیادہ قیمت دے کر خریدنے والا زیادہ قیمت دینے پر دل سے راضی نہیں ہوتا اور اگر ظاہری رضامندی کافی ہو جائے تو بیاج بھی جائز ہونا چاہیے کیونکہ یہ معاملہ بھی طرفین کی رضامندی سے ہوتا ہے۔

تنقید۔ (۱) فاضل مجیب کا فرض تھا کہ بیع کے جواز کے لئے قلبی رضا کے تحقق کی شرطیت پر دلیل قائم کرتے لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے اس پر کوئی دلیل نہیں پیش کی اور نہ پیش کر سکتے ہیں۔ ہمارے نزدیک دلی رضامندی کا وجود و تحقق صحت بیع کے لئے شرط نہیں ہے۔ اس لئے کہ کسی دلیل شرعی سے اس کی شرطیت ثابت نہیں۔ اور اس لئے کہ زیادہ سے زیادہ اس صورت کو "بیع المضطر" کی صورت ثانی کا مصداق قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور بیع المضطر اگرچہ اہل علم کے نزدیک مکروہ ہے لیکن سب کے نزدیک صحیح ہو جاتی ہے (عون المعبود ص ۲۶۳) حتی کہ صاحب حدائق الازہار جو بیع متنازع فیہا کو حرام کہتے ہیں (وحرم بیع الشئ باکثر من سعر یومہ لاجل النساء) بیع مضطر کو صحیح قرار دیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں ویصحان من الاعمی ومن المصمت ومن الاخرس بالاشارۃ وکل عقد الا الاربعۃ ومن مضطر ولو غبن فاحشا الا للجوع۔ معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک صورت متنازع فیہا کی حرمت کی وجہ یہ نہیں ہے کہ قلبی رضامندی مفقود

ہے ورنہ بیع مضطر کو بھی ممنوع قرار دیتے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مانعین کے نزدیک بھی صحت بیع کے لئے قلبی رضامندی ضروری نہیں ہے۔ اور اس لئے کہ اشیاء ستہ ربویہ منصوصہ میں اتحاد جنس کے وقت بغیر تفاضل کے نقداً بیع جائز ہوتی ہے خواہ عوضین ردی ہوں یا جید ہوں یا ایک ردی ہو اور دوسرا جید۔ غرض جودۃ اور ردارۃ کا اعتبار نہیں ہوتا اور کھوٹے سونے کا عمدہ سونے کے بدلے میں بیچنا اسی وقت جائز ہوگا جب دونوں وزن میں برابر ہوں اور نقداً نقد معاملہ ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی عمدہ کو ردی کے عوض میں برابر سرابر فروخت کرنے کے لئے دل سے راضی نہیں ہوگا لیکن باوجود عدم تحقق رضا قلب کے یہ بیع شرعاً جائز اور صحیح ہوتی ہے معلوم ہوا کہ رضا قلبی کا اعتبار اس طرح نہیں ہے جیسا کہ فاضل مجیب نے سمجھا ہے۔ اور اس لئے کہ مبیع کے عیب پر مطلع ہونے کے بعد عدم رضا کے باعث مشتری کو اختیار ہوتا ہے کہ بیع کو رد کر دے۔ فوراً سرے سے بیع کے باطل اور کالعدم ہونے کا حکم نہیں لگا دیا جاتا غرض یہ ہے کہ اطلاع علی العیب کے بعد مشتری کی رضا قلبی کا تحقق نہیں ہوتا اور اس کو اس کے بعد اختیار ہوتا ہے کہ بیع کو رد کر دے یا راضی ہو کر بیع کو لازم کر دے۔ عدم تحقق رضائے قلبی کے زمانے میں لزوم بیع کا توقف علامت ہے اس امر کی کہ بیع کی صحت کے لئے دلی رضامندی کا تحقق ضروری نہیں ہے۔ ورنہ اطلاع علی العیب کے بعد یہ بیع فوراً ہی باطل ہو جاتی۔ اور اگر مشتری آگے چل کر اس مبیع معیوب پر راضی ہوتا تو تجدید بیع ضروری ہو جاتی۔ اور یہ معلوم ہے کہ تجدید بیع کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور اس لئے کہ اگر واقعی رضا ء قلبی کا تحقق شرط ہو تو لازم ہوگا کہ جنگ کے زمانہ میں اس شخص کے لئے بھی کنٹرول سے زیادہ قیمت پر فروخت کرنا شرعاً جائز نہ ہو جس نے کوئی چیز مقررہ قیمت سے زیادہ پر خریدی ہو۔ کون ہے جو مقررہ قیمت سے زیادہ دو گنی چو گنی قیمت پر خریدنے کے لئے تیار ہوگا۔ پس بسبب عدم تحقق رضا قلبی کے بیع ناجائز ہونی چاہئے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ فاضل مجیب باوجود عدم تحقق رضا قلبی کے اس بیع کو ممنوع اور ناجائز نہ سمجھتے ہوں گے۔ اور اس لئے کہ سنت الٰہی یوں جاری ہے کہ جو امور قلوب یا نفوس میں پوشیدہ اور مخفی ہیں ان کو افعال و اقوال ظاہرہ کے ذریعہ ضبط کیا جائے اور یہی اقوال ظاہرہ امور قلبیہ کے قائمقام ہوں چنانچہ اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کی تصدیق ایک مخفی امر ہے تو ایمان کا اقرار تصدیق قلبی کے قائمقام کر دیا گیا۔ اور اسی اقرار پر ایمان کے احکام دائر ہو گئے۔ اسی طرح قیمت اور مبیع کے تبادلہ پر متعاقدین کی رضا ایک پوشیدہ امر ہے تو ایجاب و قبول کو رضا مخفی کے قائمقام کر دیا گیا اور اسی ایجاب و قبول پر بیع کے احکام دائر ہو گئے یعنی قیمت اور مبیع میں تصرف کرنا اور ہبہ و وراثت وغیرہ سب جائز ہو جاتے ہیں۔ بنابریں صورت مسئولہ میں جب بغیر جبر و اکراہ کے طرفین کی طرف سے ایجاب و قبول پایا گیا جو علامت ہے وجود رضا کی تو بیع جائز اور صحیح ہوگی۔ اور اس لئے کہ شرعاً بیع مرابحہ جائز ہے اور ربح کی کوئی مقدار معین نہیں ہے کہ بائع اس سے زیادہ ربح کے ساتھ نہ فروخت کر سکتا ہو ہاں غبن فاحش نہیں ہونا چاہئے۔ اور ہر مشتری کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ مبیع اس کو اصلی قیمت پر مل جائے یا اگر بائع کچھ نفع کے ساتھ فروخت کرنا چاہتا ہو تو بہت تھوڑے نفع پر قناعت کرے غرضیکہ اولاً تو وہ مرابحہ پر خوب راضی نہیں ہوگا

اور اگر مجبوراً اس کو مرابحہ کا معاملہ کرنا ہی پڑے تو وہ ربح کثیر دینے پر قطعاً دل سے راضی نہیں ہوگا لہذا فاضل مجیب کی تحقیق کے مطابق عدم تحقق رضائے قلبی کی وجہ سے بیع مرابحہ بربح کثیر ناجائز ہونا چاہئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ شرعاً ایسی بیع جائز اور مباح ہے۔ معلوم ہوا کہ تحقق رضائے قلبی حقیقۃً شرط نہیں ہے۔

(۲) اور اگر بالفرض واقعی دلی رضا کا تحقق اور حصول شرط ہو تو صورت متنازع فیہا میں دلی رضا کے فقدان پر کوئی دلیل اور قرینہ واضحہ بینہ موجود نہیں ہے فاضل مجیب نے اس چیز کو اظہر من الشمس بتلاتے ہوئے اپنے خیال میں اس پر ایک قرینہ پیش کیا ہے کہ دس کے بجائے بارہ دینے پر دل بخوشی راضی نہیں ہو سکتا۔ لیکن میرے نزدیک یہ چیز عدم تحقق رضا کی دلیل نہیں بن سکتی۔ کیونکہ بیع الحاقی میں ایک بیع سلم بھی ہے جو باتفاق امت جائز اور مشروع ہے حالانکہ اس بیع میں رب السلم زرسلم (راس المال) کو پیشگی دینے کے باعث زمان تسلیم کے عام نرخ سے زیادہ نرخ پر مسلم الیہ سے معاملہ طے کرتا ہے (مثلاً اگر اس وقت نرخ عام طور پر ۱۰ سیر کا ہوگا تو وہ ۱۲ سیر پر معاملہ کریگا) اور مسلم الیہ روپیہ کی ضرورت سے مجبور ہوکر مسلم فیہ کو عام نرخ سے زیادہ دینے پر راضی ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ ۱۰ سیر کے بجائے ۱۲ سیر دینے پر دل سے کون راضی ہوگا لیکن یہ معلوم ہے کہ ظاہری رضا معتبر ہو جاتی ہے اور بیع شرعاً صحیح ہوتی ہے اور کوئی صاحبِ نظر اس مجبوری و ضرورت کو عدم تحقق رضائے قلبی کا قرینہ قرار دیکر بیع سلم کو ناجائز نہیں کہتا۔ پس اسی طرح صورت متنازع فیہا میں بھی فاضل مجیب کا پیش کردہ قرینہ عدم رضائے قلبی کا قرینہ نہیں ہو سکتا اور اگر بالفرض ہو بھی تو ظاہری رضا کافی ہو جائیگی۔ اور کیونکہ اس طرح کی بیع عام طور پر رائج اور معروف ہے یعنی اس کا تعلق عموم البلوی سے ہے اور لوگوں کو اس معاملہ کی ایک طرح عادت ہو چکی ہے۔ اور لوگ اس بیع کو نئی چیز نہیں سمجھتے اور اس کا عام دستور ہو چکا ہے اسلئے ظاہر یہ ہے کہ مشتری اس بیع کو اپنی رضامندی سے کرتا ہے لہذا قلبی رضامندی کے فقدان کا دعوی کرنا ناقابلِ فہم ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر نصاً ممنوع بیع کی عادت لوگوں کو ہو جائے تو وہ بھی جائز ہو جائیگی۔ فافہم۔ اور کیونکہ رضائے قلبی ایک ایسی چیز ہے کہ اس کا علم صرف مبتلی بہ کو ہو سکتا ہے دوسرا شخص اسکے متعلق یہ حکم نہیں لگا سکتا کہ اس کا دل اس معاملہ سے راضی نہیں ہے۔ الا ان یخبر بہ المبتلی بہ او توجد قرینۃ واضحۃ قویۃ تدل علی عدم تحقق الرضا۔ پس جب مشتری بغیر جبر و اکراہ کے عام رواج کے مطابق یہ معاملہ کر رہا ہے تو ظاہر یہ ہے کہ دلی رضا سے کر رہا ہے۔ مشہور ہے "مرگ انبوہ جشنے دارد"۔ اور کیونکہ فاضل مجیب نے مشتری کو مکرہ قرار دینے کے باعث اس بیع میں عدم حصول رضائے قلب کا دعوی کیا ہے لیکن یہ واقعہ اور حقیقت ثابتہ ہے کہ صورت متنازع فیہا میں مشتری مکرہ نہیں ہے یعنی یہاں وہ اکراہ متحقق نہیں ہے جس میں رضائے قلبی مفقود ہوتی ہے اور جو شرعاً فسادِ بیع کا موجب ہوتا ہے۔

اور کیونکہ رضائے قلب کلی مشکک ہے اس کے افراد متساویۃ الاقدام نہیں ہونگے تحقق رضا میں تفاوت ہوگا تشکیک ہوگی لہذا صورت متنازعہ فیہا میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ علی وجہ الکمال والتمام رضائے قلبی کا تحقق نہیں ہے۔

یعنی رضاء اکمل نہیں پائی گئی۔ سرے سے رضاء کے وجود کی نفی کر دینی کسی طرح معقول نہیں ہو سکتی۔

فاضل مجیب نے یہ عجیب و غریب دعویٰ کیا ہے کہ "اگر ظاہری رضا سبب جواز ہو جائے تو بیاج پر بھی طرفین کی رضا ہو جاتی ہے" مطلب یہ ہے کہ اگر ظاہری رضامندی کافی ہو جائے، تو چونکہ بیاج کا معاملہ بھی طرفین کی رضا سے ہوتا ہے لہذا اُس کو ناجائز نہیں کہنا چاہئیے لیکن محض قلبی رضا کے فقدان اور ظاہری رضا کے عدم اعتبار کے باعث بیاج کا معاملہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔ اس تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف کے نزدیک بیاج کے معاملہ کی حرمت کی وجہ اور علت و سبب عدم وجود رضاء قلب ہے اور بس۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ربوٰ اور بیاج کی حرمت کی یہ علت فاضل موصوف کی مخترع اور ایجاد کردہ ہے اور اُن کے دماغ کی اوپج ہے۔ کتاب و سنتہ میں یہ سب کہیں مذکور نہیں ہے نہ صراحۃً نہ اشارۃً۔ صرف حرمت منصوص اور مصرح ہے اور علت و سبب مذکور نہیں ہے اور احکام منصوصہ مصرحہ میں جنکے علل و مصالح منصوص و مصرح نہ ہوں علت اور مصلحت و حکمۃ کے پیچھے پڑکر اپنے دماغ سے کسی حکمت و علت کو گھڑنا اور اس کو علی سبیل الجزم حکم (حلت و حرمت یا جواز و اباحت یا وجوب و فرضیت) کا مدار و مناط قرار دینا اصحاب حدیث کی شان کے لائق نہیں بلکہ ان کی روش کے بالکل خلاف ہے۔ یہ طریقہ فقہاء محدثین کا نہیں ہے بلکہ اہل الرائے کا ہے۔

ربوٰ فی نفسہ ایک قبیح اور حرام چیز ہے یہاں تک کہ اس کی قباحتوں اور مضرتوں پر یورپ اور ایشیا بلکہ ساری دنیا کے عقلا متفق ہیں۔ اور جب اس کی حرمت بغیر ذکر سبب و علت کے مصرح ہے تو سبب اور وجہ کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں ہے مومن قانت کی شان یہ ہے کہ حکم الٰہی کے سامنے سر خم کر دے اور لم ولا نسلم کرے کہ یہ چیز عبدیت کے قطعاً منافی ہے۔ ہاں اگر کوئی سبب ذہن میں آجائے تو اس کو محض ظن کا درجہ دینا چاہئیے اور یہ حکم نہیں لگا دینا چاہئیے کہ بلاشبہ شارع کے نزدیک بھی حکم کا یہی سبب ہے اور جب وہ محض ظنی ہوا تو اُس کے بارہ میں یہ قاعدۃ الحکم یدور مع العلۃ نہیں چل سکتا اور میں تو کہتا ہوں کہ آجکل بیمہ کمپنیوں، بنکوں، تجارتی کمپنیوں کے ربوی معاملات بلاشبہ فریقین کی دلی رضامندی سے ہوتے ہیں لہذا فاضل مجیب کی بیان کردہ علت اور اُنکی تحقیق کے مطابق بنکوں و بیمہ کمپنیوں وغیرہ کا ربوی کاروبار جائز اور مباح ہونا چاہئیے کیونکہ یہاں صرف ظاہری رضامندی نہیں بلکہ قلبی رضامندی بھی متحقق ہے۔

فاضل مجیب کی دوسری دلیل بھی مخدوش ہے۔ اس لئے کہ "لا ربا الا فی النسیئۃ" کا ظاہری معنی قطعاً مراد نہیں ہے ورنہ ربوا الفضل کو جائز کہنا پڑے گا کما ذھب الیہ ابن عباس و ابن عمر قبل الرجوع الی قول الجمہور۔ و نیز لازم ہوگا کہ ادھار خرید و فروخت جائز بھی نہ ہو نہ اشیاء ربویہ میں نہ غیر ربویہ میں کیونکہ ارشاد مذکور کا ظاہری معنی یہ ہے کہ ربوا کا تحقق صرف ادھار کی صورت میں ہے خواہ ادھار کی کچھ ہی صورت کیوں نہ ہو۔ حالانکہ ربوا الفضل بلاشبہ اشیاء ربویہ میں حرام ہے اور غیر ربویہ کی بہت سی صورتوں میں ادھار کا معاملہ بالاتفاق جائز ہے پس لامحالہ ہم کو اس کی تفسیر کے لئے کتب غریب الحدیث کی طرف رجوع کرنا پڑیگا۔ اور یہ دیکھنا ہوگا کہ عہد نبوی میں

ربا کی کونسی صورت رائج تھی۔ اور آنحضرت نے کس موقع پر جملہ مذکورہ انما الربوا فی النسیئۃ ارشاد فرمایا ہے پس

بغور پڑھیے۔ علامہ جزری لکھتے ہیں انما الربوا فی النسیئۃ هی البیع الی اجل معلوم یرید ان بیع الربویات

بالتاخیر من غیر تقابض هو الربا وان کان بغیر زیادۃ وهذا مذهب ابن عباس کان یری بیع الربویات

متفاضلۃ مع التقابض جائزا وان الربا مخصوص بالنسیئۃ (نہایہ ج ۲ ص ۶۴) یہی معنی تقریباً تمام شراح

حدیث نے لکھا ہے۔ اب یہ دیکھیے کہ عرب جاہلیۃ میں ربا کی کونسی صورت مروج تھی۔ موطا مالک ص ۲۷۹ میں ہے۔

مالک عن زید بن اسلم انہ قال کان الربوا فی الجاهلیۃ ان یکون للرجل علی الرجل الحق الی اجل

فاذا حل الحق قال اتقضی ام تربی فان قضی اخذ والا زاده فی حقه واخر عنه فی الاجل انتهی علامہ

زرقانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں بمعنی زاد له فی الاجل ولاخلاف ان هذا الربا الذی حرمه الله

تعالی ولم تعرف العرب الربا الا فی النسیئۃ فنزل القرآن بذلک وزاده صلی الله علیه وسلم بیانا وحرم ربا

الفضل کما مر قاله ابن عبد البر۔ انتهی۔ اس کے ساتھ ان توجیہات کو بھی سامنے رکھیے جو شراح حدیث (نووی

کرمانی۔ حافظ وغیرہ) نے حدیث مذکور اور احادیث حرمۃ ربوا الفضل کے درمیان تطبیق کے لئے تحریر کی ہیں۔ ان تمام

باتوں سے واضح طور پر متحقق ہوتا ہے کہ حدیث مذکور کا معنی وہ نہیں ہے جو فاضل مجیب نے سمجھا ہے اور یہ کہ اسکا صحیح

معنی اور تفسیر صورت متنازعہ فیہا پر قطعاً منطبق نہیں ہوتی۔ اسی لئے وہ علماء بھی جو "ضع وتعجل" کو منع سمجھتے ہیں اور

مقابلۃ الاجل بالدراہم ربا (مبسوط سرخسی ج ۱۳ ص ۱۲۶) جن کا مقولہ ہے۔ صورت متنازعہ فیہا کو ناجائز نہیں کہتے حالانکہ

اس میں تاجیل اور نسیئۃ کی وجہ سے قیمت زیادہ کردی گئی ہے اور بظاہر مقابلہ اجل کا دراہم کے ساتھ ہو گیا ہے وجہ

اس کی صرف یہ ہے کہ ان کے نزدیک حدیث انما الربا فی النسیئۃ کے مصداق سے صورت مبحوثۃ عنہا خارج ہے اور زید

بن اسلم کے قول میں ربا جاہلیۃ کی بیان کردہ صورت سے علماء نے جو منع کی علت اخذ کی ہے اور جو فاضل مجیب کی لغزش

اور دھوکے کا باعث ہو گئی وہ یہاں متحقق نہیں ہے مقابلۃ الاجل بالدراہم مطلقاً ممنوع نہیں ہے اسلئے صاحب ہدایہ باب المرابحۃ

والتولیہ میں لکھتے ہیں ولهذا یزاد فی الثمن لاجل الاجل انتهی قال صاحب البرهان شرح مواهب الرحمان

لان للاجل تاثیرا فی نقصان المالیۃ فالتجار یشترون بالنقد اقل مما یشترون بالنسیئۃ انتهی۔

معلوم ہوا کہ مقابلۃ الاجل بالدراہم بیع اور قرض کی خاص صورتوں میں ممنوع ہے اور صورت متنازع فیہا میں ادھار

کی وجہ سے جسقدر قیمت زیادہ کردی جاتی ہے وہ حد منع سے خارج ہے اسلئے کہ یہ زیادتہ ابتداء ہی سے بیع میں ظاہر کردی

جاتی ہے اور ممنوع دین مؤجل کی زیادہ مقابلہ میں مہلت دینے کے ہے یا دین مؤجل میں کمی مقابلہ میں تعجیل باقی کے ہے اور یہاں مشتری کے

ذمہ پہلے سے کوئی دین نہیں ہے کہ اس میں زیادہ واضافہ مقابلہ میں اجل کے کردی گئی ہو لیس یہ صورت ممنوعہ سے خارج ہے۔ هذا

ما عندی والله اعلم بالصواب۔ علامہ نعمانی کے رسالہ شفاء الغلل کے وجود کا مجھکو علم نہیں شاید کسی کتب خانہ میں محفوظ ہو۔